ڈاکٹر عابد سیال

فارن ایکسپرٹ (اردو)، فیکلٹی آف ایشین لینگوئجز اینڈ کلچرز،

گوانگ تانگ یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز، گوانگ زؤ، چین

غلام عباس کے افسانوں میں تکنیک کا تنوع

Dr Abid Sial

Foreign Expert (Urdu), Faculty of Asian Languages and Cultures,

Guangdong University of Foreign Studies, Guangzhou, China.

Ghulam Abass-New Urdu Short Story, Technique

Variety of technique in short stories of Ghulam Abbas

Ghulam Abbas is one of the prominent story writers of modern Urdu fiction. He is known for perfection in technique, characterization and narration of the story. In author's point of view, although technique is not the priority of Ghulam Abbas, however study of his short stories reveals that he has used a variety of story writing techniques, some of which are very unique and rare. The specialty of Ghulam Abbas is to embed the technique with the other elements of short stories in such a way that it becomes an organic whole. Variety of techniques in short stories of Ghulam Abbas has been discussed in the article.

افسانے کے فنی لوازم کی تکمیلیت کا اختصاص رکھنے کے باوجود تکنیک غلام عباس کا بنیادی مسئلہ نہیں۔ تاہم اس کا مطلب یہ نہیں کہ غلام عباس تکنیکی تنوع کو ناپسند کرتے ہیں یا کسی ایک تکنیک میں لکھنے کو ضروری یا بہتر قرار دیتے ہیں۔ وہ مغرب کے تجربہ پسند مصنفین کی تعریف کرتے ہیں اور ان کے کام کو اہم بھی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ جیمز جوائس اور مارشل پروست کے ادبی امتیازات کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

انھوں نے سب سے بڑی قربانی یہ دی کہ انھوں نے عام فہم ناول نہیں لکھا بلکہ اعلیٰ تخلیقی فکشن پیدا کیا۔ خاص طور پر جیمز جوائس کے یہ ناول اس قدر ادق ہیں کہ شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا جس نے پروست کے ناول کو مکمل طور پر پڑھا ہو۔ ان مصنفوں نے لکھتے وقت یہ کبھی نہیں سوچا کہ اس سے انھیں مالی منفعت ہوگی۔ انھوں نے محض ادب پیدا کرنے کے لیے لکھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی کوشش رائگاں نہیں گئی۔ وہ لافانی اور اَن مِٹ ادب پیدا کر گئے۔(۱)

لیکن ساتھ ہی وہ اپنے یہاں لکھے جانے والے علامتی اور تجریدی افسانے کو پسند نہیں کرتے۔ اس ناپسندیدگی کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اس کاوش کو محض نقالی سمجھتے ہیں جو افسانے کی ضرورت بن کر سامنے آنے کی بجائے محض نئے پن کی تلاش اور مختلف ہونے کی جستجو نظر آتی ہے۔ چنانچہ علامتی افسانے پر ان کی رائے یہ ہے:

آج کل جو ایبسٹریکٹ اسٹوری لکھی جا رہی ہے، یہ آج سے بیس پچیس سال قبل یورپ میں شروع ہوئی ہے۔ ہمارے ملک میں اب نقالی ہو رہی ہے۔ میرا خیال ہے جو چیز انسان محسوس کر کے لکھے وہ ادب میں اہمیت رکھتی ہے۔ میں ادب میں بہت ہی سلجھی ہوئی چیز کا قائل ہوں جو آسانی سے سمجھ میں آ جائے ۔۔۔ ادب کو اگر حصولِ لذت کا ذریعہ سمجھیں تو اس میں وہ چیز ہونی چاہیے جو دل میں لگے، اثر ہو، معمانہ ہو۔ میں نے جدید افسانے میں اب تک کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی ہے جسے پڑھنے کی سفارش کی جائے کہ بھئی اسے ضرور پڑھو ورنہ تمھاری نجات نہیں ہوگی۔(۲)

ان بیانات سے صاف پتا چلتا ہے کہ افسانے کی جدید صورتوں سے ان کی عدم رغبت کی وجہ ان کا کلاسیکی مزاج ہے۔ ان کی ادبی تربیت اور نشوونما جس زمانے اور جس ماحول میں ہوئی، اس میں ابلاغ ادب کی سب سے بڑی خوبی سمجھا جاتا تھا جبکہ علامتی اور تجریدی افسانہ بہت دیر تک ابہام و ابلاغ کی دھوپ چھاؤں میں چلتا رہا۔ دوسری وجہ فنی پختگی کا وہ معیار ہے جو خود غلام عباس کا مطمحِ نظر رہتا تھا۔ لہٰذا جدید افسانے میں جس طرح کی کچی پکی تحریریں کثرت سے سامنے آئیں، وہ ان کے لیے قابل قبول نہ تھیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ کسی ٹھوس تخلیقی جواز کے بغیر مروج روش سے ہٹی ہوئی چیزوں کو وہ شعبدہ بازی سمجھتے تھے۔ اور شعبدہ اور صحافیانہ طرزِ اظہار انھیں پسند نہ تھا۔ مثلاً منٹو کی عظمت اور ان کی تخلیقی قوت کے زبردست معترف ہونے کے باوجود انھوں نے منٹو کی اس روش پر نکتہ چینی کی ہے کہ وہ بعض اوقات صحافیانہ انداز اختیار کرتے تھے اور بعض اوقات اسٹنٹ کیا کرتے تھے۔(۳)

سو بنیادی بات جو افسانے کی ہیئت، تکنیک اور اسلوب کے بارے میں غلام عباس کے مؤقف کے حوالے سے سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ وہ محض تجربے، شعبدے اور جدت برائے جدت کے قائل نہیں تھے۔ اگر کوئی تبدیلی یا تجربہ تخلیقی ضرورت بن کر سامنے آئے اور موضوع کی بہتر پیش کش کے لیے اپنا جواز رکھتا ہو تو وہ نہ صرف ان کے لیے قابل قبول تھا بلکہ خود ان کے ہاں تکنیک کا تنوع اس کی مثال بھی ہے۔ افسانے کی تکنیک کے حوالے سے ان کا نقطہ نظر بہت واضح تھا۔ وہ کہتے ہیں:

> افسانہ نگاری کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں ہے۔ آج تک کوئی شخص یہ ڈیفائن (define) نہیں کر سکا کہ افسانے یا ناول کی تعریف کیا ہے۔ ہر ناول دوسرے ناول سے مختلف ہوتا ہے۔ آپ اس کے لیے کوئی اصول یا قواعد مرتب نہیں کر سکتے کہ یوں ہونا چاہیے اور یوں نہ ہوگا تو افسانہ نہ ہوگا۔ (۴)

غلام عباس افسانے کے جملہ اجزائے ترکیبی کو الگ الگ نہیں دیکھتے تھے۔ اس لیے ان کے ہاں افسانے کے تمام عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہو کر اور ایک نامیاتی وحدت میں ڈھل کر اس طرح مل جاتے ہیں کہ آمیزے کی بجائے مرکب تشکیل پاتا ہے جس میں انھیں ایک دوسرے سے الگ دیکھنا ممکن نہیں۔ اور یہ عمل اس بے ساختگی سے انجام پاتا ہے کہ افسانہ بجائے اجزا کے، کُل کی حیثیت میں نمایاں ہوتا ہے۔ غلام عباس کے بیشتر افسانے بیانیہ تکنیک میں ہیں۔ یہ تکنیک ان کے دور کا چلن بھی تھا اور انھیں مرغوب بھی۔ ویسے بھی وہ حقیقت نگاری کا جور جحان رکھتے تھے، اس کے لیے یہ تکنیک موزوں ترین تھی۔ اس کے علاوہ ان کے ہاں تکنیکی تنوع کی قابل توجہ مثالیں بھی موجود ہیں۔ اس حوالے سے پہلی نظر ''جوار بھاٹا''، ''بحران''، ''لچک'' اور ''روحی'' جیسے افسانوں پر پڑتی ہے۔

''جوار بھاٹا'' تکنیکی ندرت کے حوالے سے غلام عباس کا نمایاں ترین افسانہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ افسانہ بیانیہ یا دیگر معروف تکنیکوں کی بجائے محض ایک شجرۂ نسب پر مشتمل ہے جسے مصنف نے بلاتبصرہ پیش کر دیا ہے۔ یہ شجرہ ایک خاندان کی اُنیس پشتوں کا تعارف کرواتا ہے اور یہی تعارف اس خاندان کے عروج و زوال کی کہانی ہے۔ شجرہ ''چھجو'' نامی ایک فرد سے شروع ہوتا ہے جو پیشے کے لحاظ سے کبابی تھا اور بقول مصنف ان کے باپ کا نام باوجود تحقیق بسیار معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ جملہ بذات خود طنزِ ملیح کا پہلو رکھتا ہے۔ اس کے بعد چند پشتوں تک نسل در نسل اس خاندان کے افراد کی تعلیم، آمدنی اور عزت و شہرت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور بالآخر سب انسپکٹر، ایڈووکیٹ، ممبر لجسلیٹو کونسل اور چیف جسٹس ہائی کورٹ سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ گورنر تک پہنچ کر اپنے نقطۂ کمال کو چھُو لیتا ہے۔ اس بتدریج ترقی میں افرادِ خاندان کی محنت اور زیرکی بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ گورنری کے بعد زوال شروع ہوتا ہے جو جاگیرداری، رئیسی سے ہوتا ہوا شاعری، موسیقی اور دیگر مشاغل کی شاہ خرچیوں میں خاندانی دولت لٹانے والوں تک پہنچتا ہے اور بالآخر یہ سلسلہ محمد شفیع نامی ایک شخص پر ختم ہوتا ہے جو اسٹیشن کے قریب ایک چھوٹے سے ہوٹل کے مالک ہیں اور گزارا مشکل ہونے کے باعث اب انھوں نے چوری چھپے شراب بیچنا شروع کر دی ہے۔ تکنیک کا کمال یہ ہے کہ مصنف نے اپنی طرف سے کچھ کہے بغیر ہر فرد کا تعارف اس انداز سے پیش کیا ہے کہ خاندان کے مختلف افراد کی خوبیاں اور خامیاں اور خاندان کے عروج و زوال میں اس کا حصہ بڑی بلاغت کے ساتھ قاری تک پہنچتا ہے۔ غلام عباس کا مخصوص دھیما طنز بھی اس افسانے میں جا بجا موجود ہے۔ مثال

کے طور پر مختلف افراد کے بارے میں یہ جملے ملاحظہ ہوں:

قاری غوث محمد:

نماز کبھی قضا نہ ہونے دی۔ اس کی وجہ بعض لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایل کی نوکری نے انھیں وقت کا بہت پابند بنا دیا تھا۔

صاحبزادہ نسیم عرف چھوٹے میاں رئیسِ اعظم:

باپ کی طرح انھوں نے بھی کسی قسم کی ملازمت کو اپنے لیے حرام جانا۔

ابوالخیال مرزا بیکل:

۔۔۔خود بھی شعر کہتے تھے۔ مشہور تھا کہ فیضانِ شعر کی حالت میں چادر اوڑھ کر چارپائی پر لیٹ جاتے ہیں اور گھنٹوں لوٹتے پوٹتے رہتے اور جب تک غزل پوری نہ ہو جاتے، چارپائی سے نہ اُٹھتے۔

ننھے مرزا:

> انھیں لَے اور تال کا بڑا گیان تھا۔ کہتے ہیں کہ سوتے میں ان کے دہنے پاؤں کا انگوٹھا تال دیتا رہتا تھا۔(۵)

''جوار بھاٹا'' کی تکنیک کو ڈاکٹر انوار احمد نے بہت سراہا ہے۔ ان کی رائے میں ناقدین نے اس افسانے پر اس کے استحقاق کے مطابق توجہ نہیں دی۔ یہ افسانہ غلام عباس کے افسانوی مجموعے ''کن رس'' میں موجود ہے۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

> اس مجموعے کی اشاعت کو نصف صدی ہونے کو آئی ہے مگر اس افسانے کو ''آنندی'' یا ''اوورکوٹ'' ایسی شہرت نصیب نہیں ہوئی۔ یا تو روایتی اصولوں کے مطابق غلام عباس اپنی شاہکار کہانی لکھ چکنے کے بعد محض اپنے آپ کو دہرا رہے تھے یا پھر ہمارے نقاد نے ابھی تک اس مجموعے کا مطالعہ ہی نہیں کیا تھا، مجھے دوسری رائے زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں ''جوار بھاٹا'' کی شکل میں اردو کا ایک عظیم اور بے مثل افسانہ موجود ہے جس پر ناقدین نے توجہ نہیں دی۔ اس افسانے کو پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ افسانوی حقیقت یا موضوع اور تکنیک دو الگ الگ دنیائیں نہیں۔(۶)

''بحران'' بھی تکنیک کے حوالے سے ایک منفرد افسانہ ہے۔ یہ معاشرے کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے چند افراد کی کہانی ہے۔ ان میں سے ایک سہیل ہے جو فلسفے کا پروفیسر ہے۔ دوسرا چاند خان جو کسی دفتر میں چپراسی ہے۔ تیسرا ایک فوجی افسر اور چوتھا وکیل ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ کردار افسانے میں موجود ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک مکان بنوانے کا عمل ہے۔ افسانہ نگار نے ہر کردار کے مکان بنوانے کی داستان الگ الگ بیان کی ہے۔ ان کرداروں اور ان کی داستانوں کا بظاہر آپس میں کوئی تعلق نہیں لیکن مکان بنوانے کے دوران پیش آنے والی مشکلات ان تمام کہانیوں میں ایک ایسا تعلق پیدا کر دیتی ہیں جس کی بنیاد موازنے پر ہے۔ افسانہ نگار نے ہر طبقے کی نفسیات، ترجیحات اور عادات کی بڑی عمدگی سے تصویر کشی کی ہے۔

''روحی'' کی تکنیک بھی متوجہ کرتی ہے۔ یہ افسانہ ایک طویل خط کی صورت میں لکھا گیا ہے جس میں ایک شخص اپنے ایک دوست کو، جس نے عمر دنیا کی سیاحت میں صرف کر دی ہے، اس کے خط کے جواب میں ایک طویل خط لکھتا ہے۔ اس میں وہ اپنے دوست کے استفسار پر اپنی زندگی کے گذشتہ دس سال کے واقعات بیان کرتا ہے۔ اس کی پہلی بیوی ایک سال کی بچی کو چھوڑ کر مر جاتی ہے۔ بچی کی پرورش اور اس کی شادی تک حالات سے اس کا دوست واقف ہوتا ہے۔ اس کے بعد کے واقعات جن میں روحی نامی ایک بے سہارا لڑکی کا، جو عمر میں اس سے پینتیس سال چھوٹی ہے، مرکزی کردار کے گھر میں ٹھہرنا، دونوں کا ایک دوسرے کی شخصیت سے متاثر ہونا اور ایک دوسرے کے لے جذبۂ محبت کا جاگنا، بالآخر شادی ہونا اور روحی کا ایک لڑکی کو جنم دے کر مر جانا ___ ان تمام واقعات کو مصنف نے نہایت چابکدستی سے ایسے دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے کہ بیان کی طوالت کے باوجود یکسانیت کا احساس یا اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ افسانہ نگاری کے لیے خط کی تکنیک کی مثالیں دیگر افسانہ نگاروں کے ہاں بھی ملتی ہیں لیکن عموماً ان کا انداز دو افراد کے درمیان خطوط کے تبادلے کی صورت میں ہے۔ غلام عباس نے ایک ہی طویل خط میں سارا افسانہ سمو دیا ہے جو ان کی مستحکم فنی گرفت کی عمدہ مثال ہے۔

''لچک'' میں غلام عباس نے ایک نئی تکنیک کا استعمال کیا ہے۔ یہ پورا افسانہ خطاب کی صورت میں ہے۔ انھوں نے ایک سیاست دان کی مختلف اوقات میں کی گئی تقریروں کو اس انداز میں ترتیب دیا ہے کہ پوری کہانی مرتب ہو گئی ہے۔ ان چاروں تقریروں میں الفاظ کے انتخاب اور بدلتے ہوئے لہجے کے ساتھ ساتھ مقرر کا بدلتا ہوا نقطۂ نظر اور ترجیحات مصلحت اور پسپائی کے اس رویے کو سامنے لاتی ہیں جو بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو اختیار کرنا پڑا ہے۔ پہلی تقریر باقاعدہ بسم اللہ اور قرآنی آیات سے آغاز ہوتی ہے۔ اس میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال بھی کثرت سے ہے اور مشترکہ قومیت پر زور دیا جاتا ہے۔

> کون نہیں جانتا کہ عیسائیوں، مُوسائیوں کی طرح ہنود بھی اہلِ کتاب ہیں اور رام چندر جی اور کرشن مہاراج نبیوں کا سا درجہ رکھتے ہیں۔ ہندوؤں کے سبھی فرقے توحید الٰہی کے بارے میں متفق ہیں۔ وہ فنائے عالم، نیک و بد کی سزا و جزا اور حشر نشر کے قائل ہیں۔ یاد رکھو! ان کی بت پرستی شرک کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کا یہ عمل تصور شیخ کے فلسفے سے مشابہت رکھتا ہے جو ہمیشہ صوفیائے کرام کا شعار رہا ہے۔(۷)

اور

> حضرت خضر اور نارمنی جی میں جو مماثلت ہے وہ اہلِ دانش سے پوشیدہ نہیں۔(۸)

دوسری تقریر بسم اللہ کی بجائے ''برادرانِ اسلام'' سے شروع ہوتی ہے اور 'نظریۂ ضرورت' اور 'وقت کے تقاضے' کی طرف توجہ دلاتے ہوئے مقرر کہتا ہے:

> وقت کی ضرورت اور زمانے کے رجحانات کو نظر میں رکھتے ہوئے کیا ہمارے لیے یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم شریعت میں ایسی لچک پیدا کر لیں کہ اس میں حکومتِ وقت کے ہر قانون کو قبول کرنے اور اپنانے کی صلاحیت پائی جائے۔(۹)

تیسری تقریر میں ہندی الفاظ کی آمیزش بڑھ جاتی ہے:

ہمارے بھائی ابھی تک ہم کو بڑے شک کی نظر سے دیکھ رہے ہیں اور ان کو ہم پر بھروسا نہیں ہے۔ حالانکہ ہم کوئی غیر تھوڑا ہی ہیں۔ ہم میں سے بہت سوں کی رگوں میں ہندو خون دوڑ رہا ہے۔ اور اگر چھان بین کی جائے تو اکثر مسلم خاندانوں کا شجرۂ نسب کسی نہ کسی ہندو گھرانے ہی سے ملے گا۔۔۔ کیا ہرج ہے اگر میں آج چھپ کر بھی گائے کی قربانی نہ کر سکوں گا۔ یہ کوئی پُن کا کام تو ہے نہیں۔ اور پھر کونسا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا۔ اگر میں اردو کو دیوناگری رسم الخط میں پڑھنے لگوں۔۔۔ اور پھر اگر میں ہولی کے دنوں میں گھر سے باہر نکلوں اور میرے بھائی مجھ پر کیچڑ یا گندگی اچھال دیں اور میرا منہ کالا کر دیں تو اس میرا دم تھوڑا ہی نکل جائے گا۔(۱۰)

اور پھر چوتھی تقریر نہ صرف مکمل طور پر ہندی الفاظ میں ڈھل جاتی ہے بلکہ مقرر کا نقطہ نظر بھی واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جو الگ مسلم قومیت سے دستبرداری کے اعلان کے مترادف ہے۔

متر وتتھا دیش بھگتو!۔۔۔ سنسان میں کرم دیو، دھرماتما تتھا تیاگی ہونا درلبھ ہے۔(۱۱)

یہ افسانہ تکنیک کے لحاظ سے تو انفرادیت کا حامل ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ اس میں رفتہ رفتہ کہانی کے ساتھ آگے بڑھنے والا غلام عباس کا مخصوص دھیما طنزیہ اسلوب بھی اپنی کارفرمائی کا احساس دلاتا ہے۔ اس افسانے کا موضوع بھی بہت حساس ہے اور اس سے بقول ڈاکٹر انوار احمد ''بالواسطہ طور پر برصغیر کے مسلمانوں کی اس جدوجہد کی اہمیت اور معنویت پر روشنی پڑتی ہے جو پاکستان کے قیام پر منتج ہوئی۔''(۱۲)

اسی موضوع پر غلام عباس کا ایک اور افسانہ ''اوتار'' بھی ہے جس میں ''لچک'' سے مختلف تکنیک استعمال کی گئی ہے۔ یہ افسانہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں زمین گائے کا روپ دھار کر مختلف دیوتاؤں کے پاس جاتی ہے اور اس زمانے میں ہونے والے ظلم وستم پر گریہ کناں ہے۔ دوسرے حصے میں سنبھل ضلع مراد کی ایک بستی کا حال بیان کیا گیا ہے جہاں مسلمانوں پر ہندوؤں نے زمین تنگ کر رکھی ہے۔ مسلمان بستی چھوڑ کر ایک ویران جگہ ڈیرہ ڈالتے ہیں لیکن یہاں بھی انھیں چین نصیب نہیں ہوتا۔ ایک کنوئیں کے پانی کے تنازع پر لڑائی ہوتی ہے، مسلمانوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے اور ان کی عورتوں کی بے حرمتی کی جاتی ہے۔ افسانے کے تیسرے حصے میں 'حمزہ' نامی ایک لڑکا وشنو کے اوتار کے روپ میں اترتا ہے اور قتل وغارت گری میں مصروف ہندوؤں کے سامنے امن اور رواداری کے پرچار کے طور پر ایک طویل تقریر کرتا ہے۔ افسانے کے تینوں حصے معنوی اکائی میں پروئے ہوئے ہیں۔ پہلے حصے میں زمین اور دوسرے دیوتا مل کر وشنو سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ 'سنسار کی شدھ لیں'۔ دوسرے حصے میں دکھائے گئے واقعات پاپ کے اس اندھیرے کی تصویر کشی کرتے ہیں جس کا رونا روتی ہوئی زمین دیوتاؤں کے پاس گئی ہے اور تیسرے حصے میں حمزہ نامی لڑکے کا اوتار کے روپ میں ظاہر ہونا اس درخواست کی قبولیت کا مظہر ہے۔ اس لڑکے کی طویل تقریر مصنف کے نقطہ نظر کو سامنے لاتی ہے۔ اگرچہ بعض وجوہات کی بنا پر ناقدین اس افسانے کو غلام عباس کے کمزور افسانوں میں شمار کرتے ہیں تاہم اس کی تکنیک کی اہمیت اپنی جگہ ہے۔

تکنیک ہی سے متعلق ایک بات غلام عباس کے افسانوں کے ٹمپو (tempo) کی بھی ہے جو

کہانی کے آگے بڑھنے کی رفتار کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ غلام عباس کی کہانیاں عموماً
جزئیات کو سمیٹتی ہوئی دھیمی رفتار سے آگے بڑھتی ہیں۔ ان کے ہاں سنبھل سنبھل کر قدم رکھنے کا
انداز ملتا ہے اور بقول محمد حسن عسکری ضبط کی یہ کیفیت صرف ان کے اندازِ بیان ہی میں نہیں،،
ان کے مشاہدے، تفصیلات کے انتخاب اور افسانے کی تراش خراش میں بھی ہے۔(۱۳)

یہ سب عناصر مل کر رفتہ رفتہ ایک ایسی فضا تیار کرتے ہیں جو قاری کو آہستگی کے ساتھ ایک ماحول سے دوسرے ماحول میں لے جاتی ہے اور یوں افسانے کی دنیا بدل جانے کے باوجود چونکنے کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ غلام عباس کے افسانوں میں ڈرامائیت کا عنصر کم ہے۔

حوالہ جات

۱۔ غلام عباس، انٹرویو، شہزاد منظر، مطبوعہ ''ادب لطیف''، لاہور، ۸۲-۱۹۸۱ء

۲۔ ایضاً

۳۔ غلام عباس، پینل انٹرویو مشمولہ غلام عباس، ایک مطالعہ، از شہزاد منظر، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ص ۱۳۱

۴۔ غلام عباس، انٹرویو، شہزاد منظر، مطبوعہ ''ادب لطیف''، لاہور، ۸۲-۱۹۸۱ء

۵۔ غلام عباس، جوار بھاٹا مشمولہ کن رس، المثال، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص ۹۶

۶۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ-ایک صدی کا قصہ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء، ص ۵۲۲

۷۔ غلام عباس، لچک مشمولہ کن رس، ص ۱۰۹، ۱۱۰

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً، ص ۱۱۱

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۱۲، ۱۱۳

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۱۳

۱۲۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ-ایک صدی کا قصہ، ص ۵۲۳

۱۳۔ محمد حسن عسکری، مجموعہ محمد حسن عسکری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص ۱۴۹